# خلافتِ ارض اور علماء کی ذمہ داریاں

## عصرِ جدید کا ایک اہم تجدیدی کام اور اس کی نوعیت

از مولوی شہاب الدین صاحب ندوی - ناظم فرقانیہ اکیڈمی بنگلور ۲۷

### (۱)

### اسلام کی روشن فکری :

ساتویں صدی عیسوی فکر انسانی کی تاریخ میں ایک عظیم اور انقلابی صدی تھی جب کہ اسلام نے سب سے پہلے نوعِ انسانی کو نظامِ کائنات میں غور و فکر کرنے اور تجربے و مشاہدے کے ذریعہ صحیح نتائج اخذ کرنے کی انوکھی دعوت دی۔ یہ انوکھی اور انقلابی دعوتِ فکر اگرچہ بنیادی طور پر وجود باری کے اثبات اور نظام ربوبیت کی تنقیح و توجیہ کے طور پر تھی۔ مگر اس کے عقلی اور لازمی نتیجے کے طور پر اس سے جہاں ایک طرف علوم فطرت کا ارتقاء ہوا تو دوسری طرف تمدن اور اس کے مظاہر بھی ترقی کرنے لگے۔ چنانچہ قرآنی منشاء[۱] کے مطابق مسلمان بہت جلد اور حیرت انگیز طور پر صرف ایک دو صدیوں میں دنیا کے قدیم علمی سرمائے پر قابض ہو کر اس کو اپنی تہذیب اور ثقافت سے ہم آہنگ کیا اور ایک بالکل نئی ثقافت کی بنیاد ڈالی۔ مسلمانوں کی علم نوازی اور جدید تحقیقات میں انہماک کا سب سے زیادہ روشن پہلو یہ تھا کہ خالص مذہبی حلقوں میں فلسفہ و کلام کے برعکس سائنسی تحقیقات کو کبھی مذہب کے مقابل نہیں سمجھا گیا۔[۲] بلکہ وہ

---

[۱] سائنسی علوم و فنون کو ترقی دینے سے متعلق اسلام کا اصل منشاء یہ تھا کہ ان علوم کی ترقی کے باعث کائنات کے وہ حقائق اور راز ہائے سربستہ پوری وضاحت کے ساتھ کھل کر سامنے آجائیں جن کے باعث اسلام کے بنیادی عقائد و تعلیمات کی تصدیق و تائید ہو سکے اور منکرین و معاندین کو دینی حقائق سے انکار کی گنجائش باقی نہ رہ جائے۔

[۲] ملاحظہ ہو الکلام، از علامہ شبلی نعمانی، ص ۱۱، مطبوعہ لکھنؤ، ۱۳۴۰ھ۔

ہمیشہ مذہب اور سائنس دونوں کو برابر نبھاتے رہے۔

## متکلمینِ اسلام اور اہلِ کلیسا:

اسلامی دنیا میں یہ صورت حال صدیوں تک اسی طرح برقرار رہی۔ایک طرف حکماء اور سائنس داں تھے جو نئی نئی تحقیقات و ایجادات و انکشافات میں منہمک رہے تو دوسری طرف علمائے اسلام کا ایک خاص گروہ تھا جو اس دور کے "جدید علوم" کے تعلق سے پیدا ہونے والے علمی و فکری مسائل کو سلجھانے اور علمی دنیا کی رہنمائی کرنے میں لگا رہا۔ چنانچہ گروہ اول میں جابر بن حیان، ابو نصر الفارابی، الکندی، ثابت بن قرہ، ابراہیم بن سنان، حنین بن اسحاق اور ابن البیطار وغیرہ نظر آتے ہیں تو دوسری طرف گروہ ثانی میں امام ابوالحسن اشعریؒ، امام ابو منصور ماتریدیؒ، امام غزالیؒ، امام رازیؒ، امام ابن تیمیہؒ اور امام ابن قیمؒ وغیرہ بھی دکھائی دیتے ہیں۔

ان ائمۂ کرام نے اپنے دور میں دین اسلام کی ابدیت پر اثر انداز ہونے والے مسائل کی تنقیح کرتے ہوئے عقل و نقل کے حدود متعین کیے اور کلامی نقطۂ نظر سے اسلام کا دفاع کر کے اعتقادی فتنوں اور گمراہیوں کا استیصال کر دیا۔ جو ان کا ایک تجدیدی کارنامہ تھا۔

غرض اسلام کے آغاز کے ساتھ ہی دنیا نے پہلی مرتبہ ایک آزادانہ طرز تحقیق اور ایک نئے فکری انقلاب کا نظارہ کیا جس کی مثال ہمیں سابقہ ادوار میں نہیں ملتی۔ مگر بدقسمتی سے مسلم حکومتوں کے زوال کے بعد یہ صورت حال برقرار نہ رہ سکی، بلکہ چودھویں اور پندرھویں صدی کے بعد جب کہ مغربی قومیں اسلامی اثرات سے بیدار ہونے لگیں اور ان میں علمی تحقیق کا ذوق پیدا ہونے لگا تو ایک دوسرا تماشہ رونما ہوا۔ عیسائی مذہب اور کلیسا کے پیشواؤں نے دانستہ یا نادانستہ طور پر مذہب اور سائنس کے بنیادی فرق کو نظر انداز کر کے ان دونوں کو یکساں درجہ دے دیا۔ یعنی مذہب کے اصول جس طرح ناقابل تغیر ہوتے ہیں اسی طرح کائنات سے متعلق بعض نظریات کو۔ جو ارسطو کے فلسفے اور منطق سے ماخوذ تھے۔

مذہب میں داخل کرکے انھیں مذہب کا جزء اور غیر متبدّل قرار دے دیا جس کے باعث خوفناک نتائج برآمد ہوئے اور اہل علم اور اہل کلیسا کے درمیان کش مکش کا ایک المناک اور خونی سلسلہ چل پڑا جو بالآخر مذہب سے مکمل علیحدگی پر منتہی ہوا۔ اس طویل اور صدہا سال کی کشمکش کے نتیجہ میں موجودہ الحاد و مادیت اور خدا بیزار تہذیب نے جنم لیا جو درحقیقت کلیسا کی ناعاقبت اندیشیوں کا براہ راست اور لازمی نتیجہ تھا۔

اسلام نے ساتویں صدی عیسوی اور اس کے بعد شریعت اور فطرت کو دو بہنوں کی طرح اکٹھا کرنے اور ان دونوں کو باہم گلے ملانے کا جو بے مثال کارنامہ انجام دیا تھا اس کو یورپ کے نشأۃ ثانیہ (Renaissance) کے دور میں کلیسا کی خود غرضانہ اور دنیا پرستانہ ذہنیت نے بالکل برباد کر دیا اور مذہب کی ترقی کی راہ میں زبردست مشکلات کھڑی کر دیں بلکہ مذہب کی ترقی بالکل مسدود کر دی گئی۔ پھر بڑی مشکل سے اس کو ایک پرسنل معاملہ قرار دے کر اجتماعی زندگی سے بالکل بے دخل کر دیا گیا۔

کلیسا اور سائنس کے درمیان چپقلش کا یہ سلسلہ پندرھویں صدی سے شروع ہوا۔ جو بعد کی صدیوں میں بڑھتے بڑھتے نہایت درجہ شدید ہو گیا۔ لاکھوں بے گناہوں کی گردنیں ماری گئیں اور انھیں آگ میں زندہ جلا دیا گیا۔ اس کے نتیجہ میں مذہب بیزاری کا ایک ہمہ گیر ردعمل شروع ہو گیا۔ مظاہر فطرت اور قوانین فطرت کی توجیہ اب اس طرح کی جانے لگی کہ کہیں بھی خدا کا وجود یا مذہبی اصولوں کا دخل تسلیم کرنا نہ پڑے۔ یہ لَے یہاں تک بڑھی کہ باقاعدہ اور منظم طور پر انسان اور کائنات کے تعلق سے نئے نئے ملحدانہ اور مادہ پرستانہ فلسفے تراشے جانے لگے اور دین و اخلاق کو ایک ڈھکوسلہ اور کلیسا کی عیاری قرار دیتے ہوئے مذہب کا جوا پوری طرح اپنے کندھوں سے اتار پھینکا گیا۔ مذہب دشمنی کی اس لپیٹ میں سارے مذاہب آ گئے اور کسی کو بھی نہیں بخشا گیا۔ گویا یوں سمجھ لیا گیا کہ تمام مذاہب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔

## یونانی عقلیات اور جدید سائنس و فلسفہ:

یہ تو عیسائی مذہب اور کلیسا کا حال تھا، مگر افسوس کہ جدید علوم و فنون کے تعلق سے اہل اسلام کا موجودہ رویہ بھی اہل کلیسا سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے یعنی وہی ارسطو اور اس کے متبعین کے نظریات کو — جو منطق و فلسفے کی شکل میں موجود ہیں — دین کے برابر کا درجہ دے کر ایک متوازی دین بنا دیا اور جدید علوم سے بالکل بے گانہ ہو گئے۔ پھر جدید علوم سے بیگانگی کی بدولت ان علوم کے تعلق سے اور ان کی ترویج و اشاعت کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے علمی، فکری، معاشرتی اور تمدنی مسائل و مشکلات سے بھی بے گانگی عمل میں آئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام بھی ماضی کی نشانی اور فرسودگی کی علامت سمجھا جانے لگا۔ گویا یوں سمجھ لیا گیا کہ اسلام اور مسلمانوں سے ان علوم و مسائل کا کوئی واسطہ ہی نہیں ہے حالانکہ اسلام ایک زندہ اور ابدی مذہب ہے اور ہر دور میں زندگی کے تمام مسائل حل کر سکتا ہے۔ کوتاہی جو کچھ بھی ہے وہ ہماری اپنی ہے، اسلام کی نہیں۔

یہ تاریخ کا ایک عجوبہ اور حیرت انگیز امر ہے کہ علمائے اسلام نے بڑی ردوکد کے بعد یونانی عقلیات (منطق و فلسفے) کو اپنا کر اس کو گلے تو لگا لیا (جو امام غزالی کی کوششوں کا نتیجہ تھا)[1] مگر سائنس اور جدید علوم سے دور ہی دور رہے، حالانکہ قرآن حکیم، یونانی فلسفہ کی بہ نسبت موجودہ سائنس اور جدید علوم سے زیادہ قریب ہے، چنانچہ وہ اپنے بیان کردہ عقائد و تعلیمات کی صداقت و حقانیت کے ثبوت کے لیے جگہ جگہ مظاہر کائنات اور ان کے نظاموں سے استدلال کرتا ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ تمام سائنسی علوم، مظاہر کائنات اور ان کے نظاموں ہی کی تفصیلات کا نام ہے۔

اس لحاظ سے ضرورت ہے کہ آج ہمارے دینی مدارس کے نصاب تعلیم میں تبدیلی کی جائے اور منطق و فلسفے کی کتابوں کو کم سے کم اور محدود کر کے سائنسی علوم کو رائج

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے علم الکلام، از علامہ شبلی نعمانی، ص ۶۵، مطبوعہ آگرہ۔

کیا جائے۔ آج زمانہ فلسفہ کا نہیں بلکہ سائنس کا ہے۔ اور جدید فلسفہ تو سائنسی تحقیقات کو بنیاد بنا کر گفتگو کرتا ہے، قدیم فلسفے کی طرح اس سے چشم پوشی کر کے نہیں، چنانچہ تاریخ فلسفہ کا مصنف ویب لکھتا ہے:

"جن لوگوں کو ہم فلسفۂ یورپ کا بانی کہتے ہیں ان کا حقیقی کارنامہ صرف اس قدر ہے کہ انھوں نے کہانیاں کہنا چھوڑ دیا اور (جب کچھ نہ تھا تو) کیا تھا بیان کرنے کا بے سود ولا حاصل کام چھوڑ کر اس کے بجائے خود سے یہ سوال کرنا شروع کیا کہ اس وقت جو دنیا میں چیزیں نظر آتی ہیں یہ در حقیقت کیا ہیں" لہ

قدیم فلسفہ بالکل از کار رفتہ ہو چکا ہے۔ اگر اس کی ضرورت ہے تو صرف اتنی کہ ہمارے قدیم اسلامی لٹریچر سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔ اور اس کے لیے منطق و فلسفے کی اصطلاحات کا جان لینا کافی ہوگا۔

یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ یونانی منطق و فلسفہ اسلامی علوم نہیں ہیں جن کو دانتوں سے پکڑا جائے۔ بلکہ دراصل یہ علوم اسلام ہی کے دفاع کے لیے زمانۂ قدیم میں داخل نصاب کیے گئے تھے۔ ان کی ضرورت اس وقت پیش آئی تھی جب کہ ان کا طوطی بول رہا تھا۔ مگر آج ان عقلی علوم کی جگہ پر سائنسی علوم کا بول بالا ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ان عقلی علوم کو نظر انداز کر کے جدید علوم سے اپنا رشتہ استوار نہ کیا جائے، جب کہ یہ بات دینی، عقلی اور خود منطقی ہر حیثیت سے صحیح ہے۔ منطق کا مقصد ہی یہ بتایا جاتا ہے کہ وہ ہمیں خطائے فکری سے بچاتی ہے۔ لہٰذا منطقی اعتبار ہی سے ثابت ہوتا ہے کہ جدید علوم و فنون کو اپنایا جائے جو عصر جدید میں زندگی کی علامت اور زندہ قوموں کا نشان قرار پا چکے ہیں اور کوئی قوم انھیں نظر انداز کر کے اپنا وجود ملی برقرار نہیں رکھ سکتی، جیسا کہ پچھلے ابواب میں ثابت کیا جا چکا ہے۔ لہٰذا ایسی منطق بھلا کس کام کی جو ہمیں بھلے اور برے میں تمیز کرنے سے بیگانہ کر دے۔

---

لہ تاریخ فلسفہ، مترجمہ مولوی احسان احمد، ص ۴، کراچی یونیورسٹی، ۱۹۶۹ء۔

منطق و فلسفہ ـــــ جیسا کہ عرض کیا جا چکا - بقدر ضرورت کافی ہیں - ان میں اتنا خون نہ کیا جائے کہ دوسرے ضروری علوم کا حق مارا جائے[1] ان ازکار رفتہ علوم کو سینے سے لگائے رکھنے میں سوائے دماغ کھپانے اور حیرانی اور سرگردانی کے نہ کوئی عقلی خوبی ہے اور نہ دین کی کوئی واقعی خدمت، پھر ایسی صورت میں جب کہ منطق و فلسفے کی عملی اعتبار سے کوئی قدر وقیمت باقی نہیں رہی

قدیم فلسفے کے برعکس جدید فلسفہ البتہ اس حیثیت سے ممتاز ہے کہ اس کے مابعد الطبیعی مسائل جدید سائنسی نظریات پر قائم ہیں - اور سائنسی نظریات کے تغیر و تبدل کی بناء پر اس کے مسائل میں بھی تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے - جب کہ قدیم فلسفہ ہر حیثیت سے جامد ہے - بلکہ مائتم الاجسام، فلکیات اور عنصریات[2] سے متعلق اس کے اکثر و بیشتر مسائل و مباحث مجموعہ اغلاط ہیں جو محض ظن و تخمین اور وہم و خیال پر مبنی ہیں - ان میں سے کوئی بھی نظریہ تجربہ و مشاہدے کی کسوٹی پر پورا اتر نہیں سکتا، بلکہ خلافِ مشاہدہ اور خلاف حقیقت ثابت ہوتا ہے - فکر یونان کی دنیا محض تخیلات و مفروضات پر مبنی ہے، جس میں عقل کو تو خوب مصروف رکھا جاتا ہے مگر ہاتھ کچھ بھی نہیں آتا - لہٰذا جس قدر جلد ہوسکے ان بے فائدہ علوم سے پیچھا چھڑا لینا ہی بہتر ہے -

دنیائے اسلام کا عقلی انتقاد دوسری صدی ہجری یا آٹھویں صدی مسیحی سے شروع ہوا جس کے نتیجہ میں نئے نئے فکری و اعتقادی مسائل اور فلسفیانہ بحثیں پیدا ہوئیں اور فلاسفہ و متکلمینِ اسلام کے درمیان طویل نظریاتی کش مکش، مناظرے اور علمی معرکہ آرائیاں برپا ہوگئیں مگر دنیا نے حیرت سے دیکھا کہ وہی علوم جن کو فقہاء اور محدثین "علوم باطل" اور "علوم کفریہ" قرار دیتے ہوئے صدیوں تک ان کا مقابلہ کرتے رہے

---

[1] بلکہ زیادہ بہتر ہے کہ ہمارے مدارس میں موجودہ یونیورسٹیوں کے طرز تعلیم کے مطابق بعض علوم کو لازمی اور بعض علوم کو اختیاری رکھا جائے یعنی بنیادی اور ضروری مسائل کی لازمی تعلیم کے بعد بعض فنون کو اختیاری رکھا جائے کہ بعد میں جس کا دل چاہے وہ اپنے پسندیدہ علوم میں تکمیل کرسکے -

[2] یہ قدیم طبیعات کی تین شاخیں ہیں -

بالآخر امام غزالی کی کوششوں و کاوشوں کی بدولت پانچویں اور چھٹی صدی ہجری میں ان علوم سے اس حد تک سمجھوتا اور مصالحت کرلی گئی کہ تمام اسلامی مدرسوں میں ان کو داخل کر کے ہی چھوڑا گیا اور انھیں اس طرح "اسلامیا لیا گیا"، کہ ان کا شمار بھی "اسلامی علوم وفنون" میں ہونے لگا اور ان سے اس قدر رغبت ہوگئی کہ اب اُن سے جدائی بالکل شاق گزر رہی ہے۔ مگر جس بنیادی ضرورت کی خاطر یہ علوم قرون وسطیٰ میں داخل نصاب کیے گئے تھے اسی بنیادی ضرورت کے تحت آج یہ خارج نصاب کیے جانے کے قابل ہیں۔ ہر دور کا ایک عقلی مزاج ہوتا ہے جس کو ہر حال میں ملحوظ رکھنا پڑتا ہے۔ لہٰذا دین برحق کی ابدیت وعالمگیری کے اثبات اور اس کے مادی غلبے وتفوق کے اظہار کا تقاضہ ہے کہ جدید علوم وفنون کو اپنایا جائے۔

یہ بات ظاہر ہے کہ عقلی علوم دینیات کے نصاب میں کلامی نقطۂ نظر سے داخل کیے گئے تھے، جب کہ دین اسلام کو ان علوم کی طرف سے زبردست چیلنج درپیش تھا۔ مقصد یہ تھا کہ ان علوم سے آراستہ ہو کر علمائے دین کلامی نقطۂ نظر سے دین متین کا دفاع کریں۔ اب چونکہ ان علوم عقلیہ کی اہمیت ہی باقی نہیں رہی اور ان کا رواج اور چلن بالکل ختم ہوگیا تو پھر اُن علوم سے چپٹے رہنا بالکل غیر معقول اور غیر فطری بات ہوگی۔ اس کے برعکس آج چونکہ علوم جدیدہ کا چیلنج درپیش ہے اس لیے ضروری ہے کہ موجودہ صورت حال کو بدلتے ہوئے نئے ہتھیاروں سے اپنے آپ کو مسلح کیا جائے تاکہ عصر جدید میں دینِ برحق کا دفاع صحیح اور بہتر طور پر کیا جاسکے۔

## قرآن اور جدید علم کلام :

اس لحاظ سے آج ایک نئے علم کلام کی بنیاد رکھنے اور جدید علم کلام کو مدوّن کرنے کی ضرورت ہے، جو (قدیم علم کلام کے برعکس) تمام تر قرآن حکیم سے ماخوذ ہوگا۔ قرآن حکیم ہی وہ ابدی وسرمدی صحیفۂ خداوندی ہے جس میں اس کے پیروؤں کو جدید علم کلام کے تمام اصول تفصیل کے ساتھ سمجھائے گئے ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ فکری ونظریاتی اعتبار سے گمراہ قوموں اور گمراہ فلسفوں کا رد وابطال کیا جاسکے۔ قیامت تک وقوع

میں آنے والی جتنی بھی فکری ونظریاتی گمراہیاں، غلط عقیدے اور جہل فلسفے وجود میں آسکتے ہیں ان سب پر ایک عجیب وغریب اور اعجازی انداز میں قدغن لگائی گئی ہے اور ایک ایک فکری لغزش کا حال کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے قرآن حکیم میں غور وفکر اور تفکر وتدبر کی تاکید کی گئی ہے۔

مگر یہ فائدہ صرف اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب کہ ہم نہ صرف سائنسی علوم کو زیر بحث لائیں بلکہ موجودہ گمراہ قوموں اور ان کے غلط نظریات اور فلسفوں کا بھی جائزہ لیں[1] کلامی نقطۂ نظر سے سائنسی علوم دراصل ہمارے اور دیگر قوموں کے درمیان افہام وتفہیم کے لیے "اُصول موضوعہ" کا کام دیتے ہیں، جو اپنے غیر جانبدارانہ رویہ کی وجہ سے علم انسانی کا ایک قیمتی سرمایہ ہیں[2] علم مناظرہ کا یہ اصول ہے کہ طرفین کے درمیان گفتگو کے لیے کوئی بنیاد ہونی چاہیے، جو دونوں کے درمیان تسلیم شدہ ہو۔ ان بنیادی اور مسلم باتوں کو اصول موضوعہ یا اصول متعارفہ کہا جاتا ہے۔

اسی طرح سائنسی علوم "علم اسماء" اور اس کے دریافت شدہ قوانین فطرت (جو دراصل نظام ربوبیت ہی کی تفصیلات ہیں) آج ہمارے اور گمراہ قوموں اور فرقوں کے

---

[1] جدید فلاسفہ اور ملحدین کے افکار و آرا، جو مختلف خودساختہ نظاموں اور "ازموں" کی شکل میں نوع انسانی کو "تھپکیاں اور لوریاں" دے دے کر سلا رہے ہیں۔

[2] مثلاً مشہور جرمن مسلم محمد اسد "اسلام دوراہے پر" میں تحریر کرتے ہیں: "علم بجائے خود نہ مغرب کا ہے نہ مشرق کا۔ وہ ایسا ہی عالمگیر ہے جیسے کہ حقائق عالمگیر ہیں۔ لیکن جس نقطۂ نظر سے علم کو دیکھا جاتا ہے اور پیش کیا جاتا ہے اس کا انداز ہر قوم کی ذہنی فطرت کی مناسبت سے مختلف ہے۔ حیاتیات یا طبیعیات یا نباتیات من حیثہ نہ مادہ پرستانہ ہیں اور نہ روحانی؛ ان کا تعلق حقائق کے مشاہدہ کرنے، جمع کرنے اور منتشرع کرنے سے ہے۔"

(مترجمہ رحیم علی ہاشمی، ص ۴۶، دہلی، ۱۹۶۸ء)

درمیان بہترین اصول موضوعہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جن کو بنیاد بنا کر ہم نہ صرف کائنات سے متعلق غلط نتائج اور غلط افکار و آراء کی تردید کرسکتے ہیں بلکہ قرآن کی صداقت و حقانیت بھی بخوبی ظاہر کرسکتے ہیں۔ یہی وہ مقصد عظیم ہے جس کی بنا پر قرآن حکیم میں نظام فطرت سے تعرض کیا گیا ہے۔ اور سیکڑوں آیتیں مختلف پیرایوں اور مختلف ضمنی مقاصد کے تحت لائی گئی ہیں۔

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ۙ وَفِي أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ۝ اور یقین کرنے والوں کے لیے زمین میں (بے شمار) نشانیاں موجود ہیں۔ اور خود تمہاری ہستیوں میں بھی، کیا تم کو دکھائی نہیں دیتا؟ (ذاریات: ۲۰-۲۱)

ان نشانیوں سے مراد وجود باری کے دلائل و شواہد ہیں جو روئے زمین پر عالم جمادات، عالم نباتات اور عالم حیوانات کی شکل میں بکھرے ہوئے ہیں۔ اور "انفس" "نفس" کی جمع ہے جس کے معنی ذات اور ہستی کے ہیں۔ اس سے مراد انسان کے جسمانی اور نفسیاتی احوال و کوائف ہیں، جن میں وجود باری کی شہادتیں موجود ہیں۔ اس لحاظ سے یہ آیات کریمہ علم جمادات (جیالوجی) علم نباتات (باٹنی)، علم حیوانات (زوالوجی)، علم طب (میڈیسن) اور علم نفسیات (سائیکالوجی) وغیرہ تمام علوم پر محیط ہیں۔

ایک دوسری جگہ ارشاد باری ہے:

أَفَلَا يَنظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۝ وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۝ وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ۝ وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ۝ فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ ۝ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ اونٹوں کی تخلیق کس طرح کی گئی ہے؟ اور آسمان کس طرح اونچا اٹھایا گیا ہے؟ اور پہاڑ کس طرح نصب کیے گئے ہیں؟ اور زمین کس طرح (اس کو پوری گولائی میں) بچھائی گئی ہے؟ تم (ان منکرین کو ان کائناتی حقائق کے ذریعہ) یاد دہانی کرادو۔ تمہارا کام تو صرف یاد دہانی کرادینا ہے۔ (غاشیہ: ۱۷-۲۱)

ان آیات کریمہ میں اونٹوں کا نام صرف اہل عرب کی رعایت سے لایا گیا ہے۔ اصل میں یہاں پر اونٹوں کا تذکرہ جس انداز میں کیا گیا ہے اور جس اسلوب میں ان کی ساخت دپرداخت پر غور وفکر کرنے کی دعوت دی گئی ہے اس سے خود بخود دیگر حیوانات کے تقابلی مطالعہ کا بھی اشارہ نکلتا ہے جو علم حیوانات (زوالوجی) کی اصل بنیاد ہے "سمار" کے تحت تمام اجرام سماوی یعنی فلکیات کا مطالعہ آ جاتا ہے۔ جبال اور ارض کی ہیئت ترکیبی سے واقفیت کے لیے پورے طبعی جغرافیہ (Physical Geography) کا مطالعہ ضروری قرار پاتا ہے۔

اب ظاہر ہے کہ ان علوم سے کما حقہ واقفیت کے بغیر نہ تو ان آیات کریمہ کی صحیح تفسیر ہو سکتی ہے اور نہ نوع انسانی پر اتمام حجت' جو "فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ"، (انھیں یاد دلاؤ تم تو صرف یاد دلانے والے ہی ہو) یعنی تمہارا منصب صرف تذکیر و یاد دہانی اور تنبیہ و انتباہ ہے، کے مطابق اہل اسلام پر عائد ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ خطاب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے پوری امت محمدیہ سے ہے جو قیامت تک تمام ادوار پر حاوی رہے گا کہ وہ اپنے دور کے طبعی علوم اور معلومات کا جائزہ لے کر اس سلسلے کے آفاقی یا سائنٹیفک دلائل کی تدوین کریں تاکہ وہ منکرین و معاندین کی رہنمائی یا ان پر اتمام حجت کا باعث بن سکیں ——

یہاں پر نمونے کے طور پر محض انھیں دو آیات کے بیان پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ ورنہ قرآن حکیم اس قسم کی آیتوں سے بھرا ہوا ہے۔

یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ عصر جدید کی بے انتہا ترقی کے باعث تمام علوم وفنون پوری طرح مدون ہو کر ہمارے سامنے آ گئے ہیں۔ اگر اب بھی ہم قرآنی مقصد و منشاء کے مطابق ان علوم سے فائدہ اٹھا کر دین حق کی برتری ثابت نہ کریں تو اس سے بڑھ کر محرومی اور کیا ہو سکتی ہے! ہمارا کام صرف اتنا ہے کہ تمام جدید علوم وفنون کا جائزہ

لے کر قرآن عظیم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق نوع انسانی کی رہنمائی یا اس پر اتمام حجت کر دیں۔ یہی جدید علم کلام یا قرآنی علم کلام ہوگا۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ط (لوگوں کو) اپنے رب کے راستے کی طرف بلاؤ، دانش مندی اور اچھی موعظت کے ساتھ اور ان سے بہترین طریقہ سے مباحثہ کرو۔ (نحل : ۱۲۵)

## دلائل آفاق اور قوانینِ ربوبیت:

اس موقع پر ایک بہت بڑی اور ایک بنیادی غلط فہمی کا ازالہ بھی ضروری ہے۔ وہ یہ کہ عام طور پر مذہبی حلقوں میں یہ خیال پھیلا ہوا ہے کہ موجودہ سائنسی علوم محض چند بدلتے ہوئے نظریات یا "افکار پریشان" کا نام ہے، جن کی بنیاد پر کتاب اللہ کی تفسیر کرنا صحیح نہیں ہو سکتا۔ اور احتیاط کا تقاضہ ہے کہ قرآن حکیم کی تفسیر میں اس قسم کے علوم کو داخل نہ کیا جائے مبادا کہ آگے چل کر یہ نظریات بدل جائیں اور کتاب اللہ کی ابدیت پر کوئی حرف آجائے!

یہ خیال بادی النظر میں تو بہت معقول اور وزنی معلوم ہوتا ہے مگر دراصل یہ ایک بہت بڑا مغالطہ ہے، جس کو کیا عالم اور کیا عامی ہر ایک ـــــ اس کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیے بغیر ـــــ محض قلت فکر کی بنا پر اور بے سوچے سمجھے دہرائے چلا جا رہا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس طرح وہ بذات خود بہت بڑی دانش مندی کا ثبوت دے رہا ہے۔ حالانکہ یہ طرز فکر دراصل حقائق سے چشم پوشی اور سہل انکاری کو ظاہر کرتا ہے۔ قرآن حکیم میں نظام کائنات سے متعلق تقریباً ساڑھے سات سو آیات موجود ہیں[1] جن کا بنیادی مقصد انسان، خدا اور کائنات کے باہمی تعلقات کو واضح کرنا اور اس سلسلے میں منکرین و معاندین اور خدا بیزار لوگوں کے غلط اور بے بنیاد نظریات و مفروضات

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب "القرآن والعلوم العصریة" از شیخ طنطاوی جوہری، ص ۳۴، مصر ۱۹۵۱ء

کی اصلاح کرتا ہے۔ اس لیے جگہ جگہ مظاہر کائنات اور ان کے حیرت انگیز نظاموں میں غور و فکر کر کے منکرین خدا کے خلاف سائنٹیفک دلائل و شواہد کا استنباط کرنے کی تاکید کی گئی ہے، جن کو قرآن کی زبان میں دلائل آفاق (جو انسان کے چاروں طرف مختلف مظاہر کے روپ میں پھیلے ہوئے ہیں) اور دلائل انفس (خود انسان کے اپنے جسمانی و نفسیاتی احوال سے متعلق) کا نام دیا گیا ہے۔ ان دلائل و بیّنات یا آفاقی و انفسی شواہد سے عبرت و بصیرت حاصل نہ کرنے والوں کو بہائم اور چوپایوں سے تشبیہ دی گئی ہے جیسا کہ تفصیلات پچھلے ابواب میں گزر چکیں۔

اب سوال یہ ہے کہ آفاقی و انفسی دلائل و شواہد کا یہ استنباط کس کے ذمہ ہے؟ قرآن حکیم کے بنیادی مقصد اور اس کی روح کے مطابق منکرین حق پر یہ اتمام حجت کون کرے گا؟ اقوام عالم کی فکری و نظریاتی گمراہیاں کیسے دور ہو سکیں گی؟ کیا قرآن حکیم کا پیغام پورے عالم انسانی کو پہنچانا ضروری نہیں ہے؟ کیا اس کا پیغام قیامت تک تمام ادوار اور تمام خطہ ہائے ارض کے لیے عام نہیں ہے۔؟ کیا اس کے ابدی دلائل و براہین جدید ذہن و فکر کو مطمئن نہیں کر سکتے؟ بالفاظ دیگر قرآن حکیم کے دلائل آیا صرف عوام کے لیے ہیں یا خاصان علم کے لیے بھی؟ پھر سب سے بڑی بات یہ کہ ان دلائل و شواہد کا استنباط جدید علوم و فنون کی مدد کیے بغیر ممکن بھی ہو سکتا ہے؟ نیز کیا موجودہ علوم و فنون سے مدد لیے بغیر ہم موجودہ ارباب فن پر اتمام حجت کر سکتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ جب تک علوم و فنون کی گہرائیوں میں غوطہ زنی نہ کی جائے[1] جدید ذہن و دماغ کی تسلی و تشفی کا سامان فراہم نہیں ہو سکتا اور موجودہ استدلال اور عقل پرست ذہن کو مطمئن کر کے ان کے قلوب کو بدلا نہیں جا سکتا۔ اور جب تک یہ فکری معرکہ سر نہ کر لیا جائے

---

[1] اسی طرح خود قرآن حکیم کی گہرائیوں میں ڈوب جانے کی ضرورت ہے حقیقت یہ ہے کہ قرآن حکیم میں جتنی گہری نظر ڈالیے اس کے اسرار اتنے کھلتے نظر آئیں گے۔

عملی حیثیت سے کوئی صالح انقلاب برپا نہیں کیا جاسکے گا۔ کیونکہ کوئی بھی ہمہ گیر فکری انقلاب اس وقت تک برپا نہیں جاسکتا جبتک کہ ارباب دانش اور اہلِ فن کو علمی و استدلالی حیثیت سے زیر نہ کرلیا جائے اور وہ "حق" کے سامنے ہتھیار نہ ڈال دیں۔ ظاہر ہے کہ دانشور طبقے کا اپنے اپنے حلقوں میں عوامی ذہن و فکر پر بہت گہرا اثر ہوتا ہے۔ لہٰذا دانشور طبقے کو زیر کرلینا گویا کہ علمی حیثیت سے میدان سر کرلینا ہے۔ اسی وجہ سے قرآن حکیم کو جدید سے جدید تر ہر قسم کے "ہتھیاروں" سے پوری طرح مسلح کر دیا گیا ہے تاکہ اہلِ اسلام ہر دور میں حسب ضرورت ان سے کام لیں اور صحیح سوجھ بوجھ کا مظاہرہ کریں۔ مگر جب ہمارے "اسلحہ خانے" میں ہر قسم کے جدید ترین ہتھیار موجود ہیں تو پھر ظاہر ہے کہ موجودہ راکٹوں اور مزائیلوں کا مقابلہ تیروں اور تلواروں سے کرنا عقل و دانائی سے بعید تر ہوگا۔

بنیادی سوال پھر بھی باقی رہ گیا۔ وہ یہ کہ سائنسی علوم و مسائل کی مبینہ "تغیر پذیری" کا حل کیا ہے؟ تو یہ کوئی ایسا مشکل اور پیچیدہ مسئلہ نہیں ہے جس سے ہم اس قدر پریشان اور ہراساں ہوجائیں کہ محض ایک مفروضے کی بنیاد پر کتاب اللہ کی ساڑھے سات سو آیات کی تفسیر کرنا "شجر ممنوعہ" سمجھ کر چھوڑ دیں۔ اصل بات یہ ہے —— جیسا کہ سائنسی علوم اور ان کے ایجادات و اکتشافات کی تاریخ شاہد ہے —— کسی چیز کے متعلق انسانی علم ابتداءً محدود ہوتا ہے، پھر جیسے جیسے مشاہدات و تجربات کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے اس کے متعدد پہلو واضح اور تفصیلی معلومات حاصل ہوتے جاتے ہیں۔ مگر نکتے کی بات یہ ہے کہ نئے نئے اکتشافات کے باعث سابقہ معلومات کلیتاً یا یکسر باطل نہیں ہوجاتیں خصوصاً جب کہ وہ نظریاتی امور سے متعلق نہ ہوں بلکہ ان کا تعلق تجرباتی و مشاہداتی امور سے ہو) بلکہ ان معلومات و مسائل کے چند نئے پہلو یا نئے اجزا و عوامل اور ان کی کارکردگیوں کا مزید علم حاصل ہوجاتا ہے۔ مثال کے طور پر تحقیق و تجربہ سے سب سے پہلے صرف چند

عناصر (Elements) کا علم ہوا۔ پھر مزید تجربے کے بعد چند مزید عناصر معلوم ہوئے، حتیٰ کہ ان کی تعداد ۹۲ تک جا پہنچی [۱] شروع میں یہ خیال تھا کہ وہ ناقابلِ تقسیم ہیں مگر بعد میں مزید تجربات سے معلوم ہوا کہ ہر ایٹم (ہائیڈروجن سے لے کر یورنیم تک تمام کے تمام) تین قسم کے اجزاء سے مرکب ہیں، جن کو الکٹران، پروٹان اور نیوٹران کا نام دیا گیا پھر معلوم ہوا کہ پروٹان اور نیوٹران باہم ایک مرکزے کی شکل میں ملے ہوئے ہیں، اور الکٹران ان کے گرد بڑی تیزی کے ساتھ گردش کرتے ہیں۔ ایٹم کے اس مرکزہ (پروٹان اور نیوٹران کے مجموعے) کے متعلق ابتداءً خیال تھا کہ وہ ناقابلِ تحلیل ہیں۔ مگر مختلف ترکیبوں کو آزمانے کے بعد بالآخر عمل فِزِیْشن [۲] (ایٹم کے مرکزے کو توڑنے کا ایک بہت ہی پیچیدہ عمل) کے ذریعہ جب اس کو توڑا گیا تو اس سے ایک ایسی ہیبتناک اور دیوپیکر توانائی خارج ہوئی جو آج ایٹمی قوت یا جوہری توانائی کے نام سے مشہور ہے۔ ایٹم بم ایٹم کے مرکزے میں چھپی ہوئی اسی دل ہلا دینے والی قوت کا نام ہے۔

اب یہاں قابلِ غور بات یہ ہے کہ نئے نئے عناصر کی دریافت کے باعث سابق میں دریافت شدہ عناصر کا وجود باطل نہیں ہو گیا۔ جس طرح کہ خود ایٹم کے اندرونی اجزاء کی دریافت سے ان عناصر کے وجود پر کوئی حرف نہیں آسکا۔ پھر اُسی طرح الکٹران، پروٹان اور نیوٹران کی کارکردگیوں اور ان کی تفصیلات کے منکشف ہونے کے باعث سابقہ معلومات و تفصیلات کسی بھی طرح باطل نہیں ہو گئیں، بلکہ صرف اتنا ہی کہا جائے گا کہ پہلے ان اجزاء و عناصر سے متعلق انسانی علم اجمالی اور مختصر تھا مگر بعد کی تحقیقات و تجربات کی

---

[۱] یعنی قدرتی عناصر کی۔ اور اگر غیر قدرتی یا مصنوعی عناصر کو بھی شامل کر لیا جائے تو ان کی تعداد اس وقت ۱۰۵ تک جا پہنچی ہے ملاحظہ ہو کتاب Asimov's Guide to Science vol. 1, P. 234, Pelican Books, England, 1979.

[۲] Fission.

وجہ سے وہ مفصل اور وسیع ہوگیا۔ اسی پر دوسرے تجرباتی علوم کو بھی قیاس کر لیجئے۔

اس سے یہ کلیہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ علم انسانی یا علوم سائنس کی وہ بنیادی معلومات کبھی نہیں بدلتیں جو تجربے و مشاہدے میں ایک بار پوری طرح ثابت ہو جائیں اور بار بار کے تجربوں سے ہمیشہ ان سے یکساں نتائج برآمد ہوتے ہوں۔ مثلاً ہائیڈروجن کے دو ایٹموں اور آکسیجن کے ایٹم کو کیمیاوی طور پر ملانے سے پانی کا ایک سالمہ وجود میں آتا ہے۔ اور پانی کے سالمے کی کیمیاوی تحلیل سے پھر وہی مفرد عناصر برآمد ہوتے ہیں۔ یہ ایک قانون قدرت (لا آف نیچر)[۵] یا قانون ربوبیت ہے جو آج بھی صحیح ہے اور آئندہ بھی ہر دور میں قیامت تک صحیح رہے گا۔ یہی حال دیگر قوانین قدرت یا ربانی ضوابط کا ہے۔

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا ٥ اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کا ایک (طبیعی) ضابطہ مقرر کر دیا۔ (فرقان : ۲)

ایک سادہ سی مثال لیجیے۔ ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ آگ جلاتی ہے اور پانی آگ بجھاتا ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جس میں ایک لمحے کے لیے بھی ہمیں شک نہیں ہوتا۔ اس قسم کے حقائق کو قوانین قدرت کہا جاتا ہے اور اس قسم کے قوانین کا دائرہ بہت وسیع ہے جیسا کہ پیہم تجربات و مشاہدات سے ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً حیوانی زندگی کا انحصار آکسیجن پر ہے۔ کوئی جاندار پانی کے بغیر زیادہ عرصے تک زندہ نہیں رہ سکتا۔ تمام جاندار ایک حیاتیاتی مادے (پروٹوپلازم یا نخز مایہ) سے مرکب ہیں۔ پروٹوپلازم کا تقریباً بہتر فیصد حصہ پانی پر مشتمل ہوتا ہے۔ کائنات کی تمام اشیاء متعدد عناصر سے مرکب ہیں۔ مثلاً آکسیجن، ہائیڈروجن، نائٹروجن اور کاربن وغیرہ۔ غرض یہ پوری کائنات نہایت درجہ منضبط قوانین کے مجموعے کا نام ہے اور یہاں پر انتشار، بدنظمی اور لاقانونیت نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ هَلْ تَرَىٰ مِن فُطُورٍ ؟ -

---

۵۔ Law of Nature.

سائنسی نظریات میں ردوبدل یا تبدیلی جو کچھ بھی ہوتی ہے وہ ان ثابت شدہ طبیعی قوانین اور بنیادی اصولوں میں نہیں بلکہ ان مفروضات میں ہوتی ہے جو یا تو ابھی زیر مشاہدہ ہوں یا جن میں کسی رکاوٹ کے باعث سرے سے کوئی تجربہ و مشاہدہ ہی ممکن نہ ہو۔ اصل یہ کہ کوئی بھی سائنس داں اور کوئی بھی عالم طبیعات مختلف اشیائے عالم میں ربط و تعلق، اور توجیہہ و تاویل کے لحاظ سے بعض نظریات و مفروضات قائم کرنے پر مجبور ہوتا ہے خواہ ان کے متعلق اس کو تفصیلی علم حاصل ہو یا نہ ہو۔ دنیائے سائنس میں تغیر و تبدل جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ عموماً اسی قسم کے نظریات و مفروضات میں ہوتا ہے۔ فلکیات (اس میں خصوصاً آغاز کائنات سے متعلق نظریات) ارضیات (جیالوجی) اور نظریۂ ارتقاء وغیرہ کے اکثر مسائل و مباحث اسی باب سے متعلق ہیں۔ اس کے بالمقابل طبیعیات، کیمیا اور حیاتیات (سوائے آغاز حیات اور روح اور اس کے مظاہر سے متعلق معموں کے) اکثر مباحث تجرباتی و مشاہداتی ہونے کی بنا پر قابل استدلال ہیں[1]۔ ان علوم اور ان کے مباحث میں غور و فکر کرنے اور ان کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد انسان کے اندر اتنی بصیرت پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کی بنیاد پر وہ خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ اسے کن امور سے استدلال کرنا چاہیے[2]۔

قرآن حکیم میں مختلف علوم و فنون کے حقائق یا فکری نتائج ـــــ جو اصل مفر اور جوہر کی

---

[1] اسی بنا پر قرآن حکیم تجربے و مشاہدے پر زور دیتا ہے، جیسا کہ تفصیلات پچھلے ابواب میں گذر چکی ہیں ـــ کہ کائنات کی تمام چیزوں کا نہایت درجہ باریک بینی سے جائزہ لیا جائے تاکہ وہ تمام قوانینِ ربوبیت منکشف ہو جائیں جن کے باعث قرآن حکیم کے ابدی و سرمدی بیانات کا اثبات اور علم الٰہی کی قدامت کا پوری طرح نظارہ ہو جاتا ہو۔

[2] اس موضوع پر میں نے اپنی ایک دوسری کتاب (وجود باری اور قیامت کے شواہد نئے نباتات میں) میں تفصیلی بحث کی ہے اور قرآن اور کائنات کے حقائق میں تطبیق دینے کے لئے بہت سے اصول و کلیات وضع کرنے کی کوشش کی ہے، جن کی حیثیت جدید تفسیری اصول و ضوابط

حیثیت رکھتے ہیں ــ بالکل معجزانہ انداز میں مذکور ہیں۔ موجودہ دور کی عقلیت کے مطابق ذہن سازی کے لیے مثبت اور بنیادی رول ادا کرسکتے ہیں۔ ان حقائق کو سمجھنے کے لیے لازمی طور پر جدید سے جدید تر متعلقہ علوم کی جزئیات کو بھی زیر بحث لانا پڑے گا۔ جس کے بغیر چارۂ کار نہیں ہے۔ مثلاً قرآن میں مذکور ہے کہ نباتات میں بھی قانون زوجیت پایا جاتا ہے۔ یعنی حیوانات کی طرح پیڑ پودوں میں بھی نر و مادہ پائے جاتے ہیں۔ اس حقیقت کو علی وجہ البصیرت سمجھنے اور متعلقہ مسائل کی تنقیح کے لیے حیاتیات (بیالوجی) کے بہت سے مباحث کو بھی چھیڑنے پڑتے ہیں۔ اب ممکن ہے کہ بعض جزئیات میں جو نظری حیثیت رکھتے ہوں ـــ آئندہ چل کر کوئی تبدیلی واقع ہو جائے۔ مگر یہ حقیقت کہ تمام نباتات زوج زوج ہوتے ہیں اس میں کسی قسم کی تبدیلی کا امکان نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔ یہی حال دیگر تمام حقائق و معارف کا بھی ہے۔ اب یہ کتنی بڑی نادانی ہوگی کہ ہم ایک موہوم سے خدشے کی بنا پر اس قسم کی آیات کی سائنٹیفک نقطۂ نظر سے تفسیر کرنا ہی چھوڑ دیں۔ گویا کہ قرآن مجید کے پانچویں ایک حصہ کو مہمل قرار دے دیں۔ [له] العیاذ باللہ!

غرض انہی تمام مباحث و مسائل کے جاننے کا نام "علم اسرار" ہے اور اس کی تحصیل علمائے اسلام کے لیے فرض کفایہ کی حیثیت رکھتی ہے [۲] علماء کی ایک جماعت

---

[له] قرآن حکیم کے علوم خمسہ میں سے ایک مستقل علم نظام کائنات سے متعلق بھی ہے، جس کو شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنی کتاب "الفوز الکبیر" میں "التذکیر بآلاء اللہ" کا نام دیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں یا مظاہر کائنات کے ذریعہ تذکیر و انتباہ۔ شاہ صاحب کی تصریح کے مطابق قرآن کے بنیادی علوم پنجگانہ یہ ہیں: (۱) علم احکام (۲) علم مخاصمہ (۳) مظاہر کائنات کے ذریعہ تذکیر و انتباہ (۴) صحیفۂ تاریخ کے ذریعہ تذکیر و انتباہ (۵) علم آخرت - (حاشیہ نمبر ۲ صفحہ ۲۲ پر)

ہمیشہ اور ہر دور میں بلکہ ہر ملک و قوم میں اس فرض کفایہ کی ادائیگی کے لیے تیار رہنی چاہیے۔ ورنہ وہ عنداللہ قابل مؤاخذہ ہوں گے۔ اور ان کا کوئی بھی عذر قیامت کے دن مسموع نہیں ہو گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے کے تمام امور اور تمام مسائل کو کھول کھول کر اپنے آخری اور ابدی صحیفہ میں بیان کر دیا ہے۔

ہمارے علماء کا فرض ہے کہ وہ ان علوم کی تحصیل کر کے قرآنی منشأ و مقصد کے مطابق عالم انسانی کی ہدایت و رہنمائی کا سامان فراہم کریں۔ قرآن حکیم میں ان علوم و مسائل کا تذکرہ بھی دراصل قرآن عظیم کی وسیع ہدایت و رہنمائی ہی کے ایک حصہ کے طور پر ہے۔ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ان علوم سے خدا پرستی کے اثبات کے لیے سائنٹیفک دلائل و شواہد فراہم کرنا مقصود ہے۔ یعنی مادہ پرست اور خدا بیزار لوگ نظام کائنات سے متعلق جن حقائق اور واضح نتائج سے آنکھیں بند کر کے گزر جاتے ہیں یا تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے جن منطقی دلائل کا سامنا کرنے سے جی چراتے ہیں ایسے تمام مواقع پر انھیں متنبہ کرتے ہوئے متعلقہ شواہد کی نشاندہی کرنا اور منکرین حق کی علمی کمزوریوں کو واضح کرنا۔ یہ بھی "معروف ومنکر" کے مقتضاء کے عین مطابق ہے چنانچہ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ " (وہ معروف کا حکم کرتے ہیں اور منکر سے روکتے ہیں) کے وسیع مفہوم میں یہ شق بھی داخل سمجھی جائے گی۔

---

حاشیہ نمبر ۲، بقیہ صلا : امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں ان تمام علوم و فنون کی تحصیل کو فرض کفایہ قرار دیا ہے جن کے عدم وجود کے باعث اجتماعی حیثیت سے کوئی خرابی لازم آتی ہو۔ نیز اسی طرح امام ابن تیمیہؒ نے اپنی ایک تصنیف میں لکھا ہے کہ جدید علوم و مسائل حاصل کر کے زمانے کے مزاج کے مطابق کتاب و سنت کی تشریح و تفہیم کرنا تبلیغ دین میں داخل ہے اور یہ علمائے امت کے لیے فرض کفایہ کی حیثیت رکھتا ہے، جیسا کہ تفصیل آگے آرہی ہے

غرض قرآن حکیم میں ان علوم کا تذکرہ بھی دراصل اس کی ابدی اور عالمگیر رہنمائی ہی کا ایک حصہ ہے اس سے الگ نہیں۔ ظاہر بینوں کو دھوکہ ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کو بھلا انسانی علوم سے کیا واسطہ! وہ سمجھتے ہیں کہ سائنسی علوم نظامِ شریعت کے مغائر ہیں۔ حالانکہ یہ سائنسی علوم جو بادی النظر میں انسانی علوم معلوم ہوتے ہیں دراصل محض انسانی علوم نہیں ہیں بلکہ نظام کائنات اور نظام ربوبیت کی توضیح و تفصیل کرنے والے ہیں[1]۔ کائنات میں جتنی بھی اشیاء ہیں سب کی سب خداوند کریم ہی کی پیدا کردہ ہیں۔ اور انسانی علوم کی بنیاد بھی یہی مخلوقات الٰہی ہیں۔ لہٰذا ان علوم کی تحقیق و تفتیش سے مخلوقات الٰہی کا تفصیلی علم حاصل ہوتا ہے جو نظام ربوبیت کو سمجھنے کی بنیاد ہے اور جب تک انسان نظام ربوبیت کو صحیح طور پر سمجھ نہ لے وہ "رب العلمین" (تمام جہانوں کے رب اور پروردگار) کی صحیح معرفت بھی حاصل نہیں کر سکتا جو کہ اصل مقصود ہے۔

یہ ایک بعید از قیاس بات ہو گی اگر ہم یوں تصور کرلیں کہ مظاہر کائنات اور ان کے نظامات کسی بھی درجہ میں نظام شریعت کے مخالف واقع ہوئے ہیں یا ہو سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ نصوص قرآنی کے مطابق مظاہر کائنات کے تمام ضوابط بنانے والا خالق عالم جل شانہٗ ہی ہے۔ اُسی نے ایک ایٹم سے لے کر ایک نظام شمسی تک تمام مظاہر کی تخلیق کی اور

---

[1] سائنسی علوم ـــ جیسا کہ اہل بصیرت کی رائے ہے ـــ اپنی ماہیت کے اعتبار سے پوری طرح سیکولر اور غیر جانبدار ہیں۔ ہر ایک ان کی جس طرح چاہتا ہے تشریح کرتا ہے اور ان کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر مادہ پرستانہ نقطۂ نظر سے نظام کائنات کے معمے حل نہیں ہوتے اور مادیئین، مظاہر کائنات کے درمیان بین السطور بھٹکتے رہتے ہیں۔ جب کہ اسلامی نقطۂ نظر سے ان مختلف و متضاد نظاموں اور ان کے تمام ظاہری و باطنی علل و اسباب کی مکمل اور تشفی بخش تشریح و توجیہہ ہو جاتی ہے اور کہیں بھی کوئی رخنہ یا شگاف باقی نہیں رہتا۔

ان کے طبعی ضوابط مقرر کیے۔ اور اسی علیم وخبیر اور ہمہ دان وہمہ بین ہستی نے نوع انسانی کی ہدایت ورہنمائی کے لیے اپنا کلام بھی نازل فرمایا۔ لہٰذا ان دونوں میں تعارض وتضاد کس طرح ہو سکتا ہے۔!

امام ولی اللہ دہلویؒ (۱۱۱۴ھ - ۱۱۷۶ھ) نے قرآن حکیم کے تمام مضامین ومندرجات کو بنیادی طور پر پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ جن میں سے ایک "التذکیر بآلاء اللہ" بھی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں جو مظاہر کائنات یا مخلوقات الٰہی (حیوانات ونباتات اور جمادات وافلاک) کی شکل میں صفحۂ ارض اور سمائے دنیا میں بکھری ہوئی ہیں۔ اُن کے ذریعہ یاددہانی اور سبق آموزی۔ اس تصریح کے مطابق غور فرمائیے، یہ موضوع قرآن حکیم کا ایک مستقل موضوع اور اس کے علوم ومعارف کا پانچواں ایک حصہ ہے۔ کیا ہم اتنے بڑے حصہ کو نظرانداز کر سکتے ہیں!

حاصل یہ کہ نظام کائنات اور نظام ربوبیت سے متعلق ہر نیا انکشاف قرآن حکیم کی ابدی صداقتوں کو اجاگر کرنے والا اور اس کے لافانی نقوش واسرار کو بے نقاب کرنے والا ہوگا، جب کہ ہم لغت، نحو اور تمام صحیح تفسیری اصولوں سے کام لے کر آیات الٰہی کی صحیح تفسیر کریں[1] اس طرح تمام صحیح اصولوں کو کام میں لاکر جب پوری ذمہ داری کے ساتھ اس کی تفسیر کی جائے گی تو پھر اس کے غلط ہو جانے یا کتاب اللہ پر حرف آجانے کا کوئی خدشہ باقی نہیں رہے گا۔ بلکہ یہ کوشش محمود ومستحسن ہوگی اور عنداللہ قابل اجر بھی۔ آج بہت سے تشنگان علم اس قسم کی صحیح تفسیروں کا تقاضہ ومطالبہ کر رہے ہیں۔ یہ وقت کی بہت بڑی ضرورت اور ایک بہت بڑا خلا ہے جس کو پورا کرنا عصر حاضر کا ایک کارنامہ ہوگا۔

---

[1] نہ کہ فتنہ وفساد برپا کرنے کی غرض سے اس کی آیات میں توڑ مروڑ اور من مانی تاویلات کر کے جیسا کہ عصر جدید کے متجددین کا خاصہ ہے۔

الٓرٰ قف كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۙ

الف، لام، را۔ یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں (علمی اعتبار سے) محکم کی گئی ہیں[1] پھر ان کی تفصیل ایک حکیم اور باخبر ہستی کی جانب سے کی گئی ہے۔ (ہود: ۱)

خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

اللہ نے زمین اور آسمانوں کو حکمت اور مطابقت[2] کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ اس باب میں اہل ایمان کے لیے ایک بہت بڑی نشانی ہے۔ (عنکبوت: ۴۴)

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ع

(اے محمد!) ہم نے آپ پر وہ کتاب اتار دی ہے جو ہر چیز کی خوب وضاحت کرنے والی ہے۔ اور وہ (ان ابدی حقائق کی بدولت) فرمانبرداری کے لیے ہدایت رحمت اور خوشخبری ہے[3] (نحل: ۸۹)

---

[1] یعنی اصول صحیحہ کی رو سے ان کا مفہوم کبھی غلط ثابت نہیں ہو سکتا اور کائنات کے حقائق ان سے کبھی متصادم نہیں ہو سکتے، کیونکہ ان دونوں کا سرچشمہ ایک ہی ہے۔ چنانچہ چودہ سو سال کی تاریخ میں آج تک اس قسم کے تعارض و تضاد کی کوئی ایک مثال بھی پیش نہیں کی جا سکی۔ یہ بھی نوع انسانی کے لیے ایک چیلنج ہے۔ یہ اس بات کا قطعی اور فیصلہ کن ثبوت ہے کہ لازوال سچائیوں سے لبریز یہ کتاب حکمت بھی اس حکیم و خبیر ہستی کی جانب سے ہے جس نے اس رنگارنگ صحیفۂ فطرت کی تخلیق کی ہے۔ ورنہ ان دونوں میں اس قدر توافق اور مکمل ہم آہنگی ہرگز نہ پائی جاتی۔

اور دوسری حیثیت سے زمانہ خواہ کتنا ہی ترقی یافتہ کیوں نہ ہو جائے اس کے شرعی و اخلاقی احکام و ضوابط از کار رفتہ یا آؤٹ آف ڈیٹ نہیں ہو سکتے۔ بلکہ ان کی اہمیت و افادیت ہر دور میں منطق صحیح کی رو سے مسلّم رہے گی۔ (حاشیہ نمبر ۲ و ۳ صفحہ ۲۶ پر)

وَمَامِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○ اور ارض وسماء کا کوئی راز (سربستہ) ایسا نہیں ہے جو (اس) کتاب روشن میں موجود نہ ہو (نمل: ۷۵)

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ ہم نے تمہارے پاس ایک ایسی کتاب بھیج دی ہے جس میں تمہارا تذکرہ (داستان) موجود ہے۔ (انبیاء: ۱۰)

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ط تو کیا میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کو حکم مان لوں! حالانکہ اسی نے اس کتاب کو تمہارے پاس تفصیل کے ساتھ بھیج دیا ہے۔ (انعام: ۱۱۴)

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ○ بڑا ہی بابرکت ہے وہ جس نے اپنے بندے (محمدؐ) پر فرقان (فیصلہ کن کتاب) نازل کی تاکہ وہ سارے جہان کو متنبہ کرسکے۔ (فرقان: ۱)

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ج فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ط

---

حاشیہ نمبر ۲ و ۳، بقیہ صفحہ ۲۵) ۲ؔ امام راغب لکھتے ہیں کہ لفظ "الحق" کی اصل مطابقت وموافقت ہے اور جب اس کا اطلاق ذات باری تعالیٰ پر ہو تو اس کا مطلب ہوگا وہ ذات جو بتقاضائے حکمت اشیاء کو وجود میں لائے۔ اسی طرح ہر اس چیز کو بھی "حق" کہا جاتا ہے جو حکمت کے تقاضوں کے مطابق پیدا کی گئی ہو (ملخص از المفردات فی غرائب القرآن)

۳ؔ یہاں پر ہدایت، رحمت اور بشریٰ کے الفاظ ہماری ذہن سازی کے لیے نہایت درجہ اہمیت رکھتے ہیں جو "تبیان" سے متعلق ہیں۔ گویا کہ قرآن حکیم کو ہر قسم کی معلومات سے آراستہ کرنے کے یہ تین مقاصد ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ یہ بھی ہدایت ہی کی خاطر ہے کہ اہل اسلام منشائے خداوندی کے مطابق نوع انسانی کی صحیح رہنمائی کرکے اس کی رحمت اور خوشخبری کے مستحق بنیں۔

(لوگو) تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے روشن دلیلیں آچکی ہیں۔ پس اب جس نے بصارت (کھلی آنکھوں) سے کام لیا وہ فائدے میں رہا اور جو (جان بوجھ کر) اندھا بنا وہ زیاں کار ہوا (انعام: ۱۰۵)

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ۗ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝ ہم عنقریب ان (منکرین حق) کو اپنے نشانات ودلائل دکھادیں گے، ان کے گردو نواح میں بھی اور خود ان کی اپنی ہستیوں میں بھی، تاآنکہ ان پر واضح ہو جائے کہ یہ (کلام) برحق ہے کیا یہ بات ان (کی تسلی وتشفی) کے لیے کافی نہیں ہے کہ تیرا رب (اس عالم آب وگل کی) ہر چیز سے واقف ہے۔؟ (حٰم سجدہ: ۵۳)

اس قسم کی اگر تمام آیات کو اکٹھا کیا جائے تو فکر ونظر کے بہت سے گوشے اجاگر ہو جاتے ہیں اور ہر شبہ کا کافی وشافی جواب مل جاتا ہے۔ اسی بنا پر فرمایا گیا (وہی ہے جس نے تمہارے پاس اس کتاب کو تفصیل کے ساتھ بھیج دیا ہے۔ (انعام: ۱۱۴)

(باقی آئندہ)


## نقش حکمت

جناب احمق پھپھوندوی مرحوم کے نام سے ہندوستان کا تقریباً ہر پڑھا لکھا واقف ہے۔ آپ کا شمار ہندوستان کے معدودے چند شعراء میں ہے۔ آپ کے کلام کا انداز ظرافت، رنگینی اور شوخی کے ساتھ پُرحکمت بھی ہوتا ہے، یہ مجموعہ اشارات، عبارات، خطابات تین عنوانات پر مشتمل ہے۔ آخر میں منتخب غزلیات ہیں۔ صفحات ۳۲۰ قیمت مجلد /-

مکتبہ برہان، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی ۶